ترجمہ وتلخیص

عمرہ کی تکرار اور کثرت
(فقہی مباحث کا تقابلی مطالعہ)

—————— ڈاکٹر عبداللہ بن حمد بن العظیمی
مترجم : جناب خدا بخش کلیار

عمرہ کی تکرار اور اس میں کثرت کے اصول میں تالیف ایک نہایت اہم موضوع ہے۔ موجودہ دور برّی، بحری اور ہوائی وسائل نقل وحرکت کے لحاظ سے ترقی یافتہ دور ہے۔ لہٰذا آباد دنیا کے گوشے گوشے سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو مناسکِ حج وعمرہ کی ادائیگی کے لیے بیت اللہ شریف پہنچنا آسان ہوگیا ہے۔

مقدس مقامات جہاں مناسک ادا کیے جاتے ہیں، ان کا رقبہ محدود ہے اور اور لوگ لاتعداد ہیں، بلکہ ان میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا بڑے ہجوم کے سبب سے فرض مناسک ادا کرنے والوں، بالخصوص کمزوروں، مریضوں اور بوڑھوں کو تکلیف و مشقت کا سامنا ہوتا ہے اور یہ تکلیف باقی دنوں کی نسبت حج کے دنوں میں بڑھ جاتی ہے اور مقامات مقدسہ، مطاف اور مقام سعی پر کی ایک وجہ عمرہ کی تکرار اور اس میں کثرت ہے۔

مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمارے لیے قوانین بنائے، حدود مقرر فرمائے اور ہمارے سروں سے (غیر ضروری) بوجھ اور قیود کو اتارا، اس کے سوا کوئی الٰہ ہے نہ کوئی اس کے سوا معبود برحق ہے اور صلاۃ وسلام ہوں خاتم الانبیاء والرسل پر جو تمام مخلوقات میں افضل و برتر ہیں۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں روشن راستے پر لگایا جس کی رات بھی دن کی مانند ہے۔ اس سے ہلاک ہونے والا ہی روگردانی کرتا ہے اور خیر صرف اور صرف وہی ہے جس کی طرف آپؐ نے امت کی رہنمائی فرمائی اور کوئی ایسا شر نہیں ہے جس سے آپؐ نے خبردار نہ کر دیا صلی اللہ علیہ وسلم وعلی صحبہ ومن اتبعہم باحسان الی یوم الدین، وسلّم تسلیما کثیرا کثیرا۔ امابعد!

عبادات کی بنیاد توقیف یعنی شرعی نصوص ہیں۔ انسانوں اور جنوں کی تخلیق کا مقصد اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ (الذاریات: ۵۶)

میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

اور عبادات تمام ظاہری و باطنی اقوال و افعال، جو اللہ کی رضا و خوشنودی کا باعث بنتے ہوں کا جامع نام ہے اور اللہ تعالیٰ کسی قول یا فعل کو پسند نہیں فرماتا، سوائے اس منہاج کے جو اس نے اپنی کتاب میں طے فرما دیا، یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کسی عمل کو قبول ہی نہیں فرماتا، سوائے اس کے جو خالص اور درست ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝ (الملک: ۲)

وہ جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

فضیل بن عیاضؒ نے کہا ہے احسن عملا کا مطلب ہے "اخلصہ واصوبہ" پوچھا گیا کہ اے ابوعلی! اخلصہ واصوبہ سے آپ کی کیا مراد ہے؟ انھوں نے کہا کہ عمل خالص ہو اور درست نہ ہو تو قبول نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح اگر درست تو ہو لیکن خالص نہ ہو تو بھی قبول نہیں کیا جاتا۔ وہ اسی وقت قابل قبول ہوگا جب خالص بھی ہو اور درست بھی ہو۔ خالص عمل وہ ہے جو اللہ کے لیے کیا جائے اور درست وہ ہے جو سنت کے مطابق کیا جائے۔ اور یہ اللہ کے اس ارشاد کے عین مطابق ہے۔

فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ

پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار

عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ — ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور بندگی
بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا (الکہف: ۱۱۰) — میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں: عبادات، دینیات اور تقربات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے حاصل ہوتے ہیں، کسی اور کا یہ کام نہیں کہ وہ شرعی دلیل کے بغیر عبادت یا تقرب الی اللہ کے طور پر کوئی چیز بنائے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا — کیا یہ لوگ ایسے شریک خدا رکھتے ہیں
لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ — جنھوں نے ان کے لیے دین کی نوعیت
يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ — رکھنے والا ایک ایسا طریقہ مقرر کر رکھا ہے
(الشوریٰ: ۲۱) — جس کا اللہ نے اذن نہیں دیا۔

اس طرح کے نظائر قرآن حکیم میں بہت سے ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت اور اپنی کتاب کے اتباع کا حکم دیا ہے اور اس کے علاوہ ہر اتباع سے منع فرمایا ہے۔

اس لیے فقہاء نے کہا ہے کہ عبادات توقیف یعنی شرعی نصوص پر مبنی ہیں جیسا کہ صحیحین میں حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور کہا: "بخدا! میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان دیتا ہے اور نہ نفع، اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت اور آپ کے ساتھ تعلق اور محبت کا حکم دیا ہے اور لازم قرار دیا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ہمیں ان کے ماسوا سے محبوب تو ہوں اور آپ کی اطاعت اور محبت کے ساتھ اپنی محبت اور شرف کی ضمانت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ — اے نبی! لوگوں سے کہہ دو کہ "اگر
اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ — تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ — ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم
سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے
(آل عمران: ۳۱) — درگزر فرمائے گا۔

ارشاد ہے:

وان تطیعوہ تہتدوا	اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو خود
(النور: ۵۴)	ہی ہدایت پاؤ گے۔

ایسی مثالیں قرآن کریم میں بہت ہیں اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس بارے میں سنت کی پیروی اور شریعت کی منشا کے خلاف کرے۔ اسے چاہیے کہ کتاب وسنت کی رہنمائی میں سلف صالحین کی راہ اختیار کرے۔ جو بات جانتا ہے صرف وہ کہے اور جس سے ناواقف ہے اس سے پرہیز کرے اور جس کا اسے علم نہیں ہے اس میں تردد نہ کرے اور نہ اسے اللہ تعالیٰ سے منسوب کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

لہٰذا جب مسلمان کو دین کا علم حاصل ہو گیا تو وہ علی وجہ البصیرت اللہ تعالیٰ کی بندگی کے قابل ہوا؛ کیونکہ جاہل اپنے عمل کے ساتھ اصلاح کی نسبت بگاڑ کو زیادہ پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جس کسی کو دین کے فہم سے نوازا ہو اس پر واجب ہے کہ لوگوں کو بتائے اور انھیں عبادات کی حقیقت سے آگاہ کرے تاکہ اپنی ذمہ داری سے بری ہو جائے اور اپنے عہد کو پورا کرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس قول کے ذریعہ اس سے عہد وپیمان لیا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ	ان اہل کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ	جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب
لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ز	کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا انھیں
(آل عمران: ۱۸۷)	پوشیدہ رکھنا ہوگا۔

یہ وہ میثاق ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص سے لیا ہے جسے کتاب عطا فرمائی اور علم سکھایا کہ اللہ نے جو علم اسے دیا ہے وہ لوگوں پر واضح کرے جس کے وہ حاجت مند ہیں اور ان سے نہ چھپائے، نہ بخل سے کام لے، خصوصاً جب کہ وہ اس سے دریافت کریں یا جب ایسا کرنا ضروری ہو۔ کیوں کہ جس کے پاس بھی علم ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ برمحل اس کی وضاحت کرے اور حق کو باطل سے الگ کر دکھائے۔

موجودہ زمانے میں ضرورت ہے کہ لوگوں کے سامنے عمرہ کی تکرار، اس میں کثرت اور پے در پے اسے کرنے کے مسئلہ کی وضاحت کی جائے۔ لوگوں کا آج کل یہ عمل ہے کہ وہ رجب اور رمضان سے مہینوں اور خاص طور پر رمضان المبارک کی ستائیسویں رات میں عمرہ کرتے ہیں، باوجود یہ کہ عمرے کی تکرار اور اس میں کثرت کی مشروعیت پر علماء کا اتفاق نہیں ہے۔ امام مجتہد شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مکہ سے عمرہ کرنا اور طواف کو ترک کرنا بدعت قرار دیا ہے۔ انھوں نے فرمایا:

"طواف افضل ہے اور مکہ سے عمرہ کرنا اور طواف کو ترک کردینا مستحب نہیں ہے۔ بلکہ عمرہ کے بغیر طواف افضل ہے اور عمرہ اس حال میں بدعت ہے۔ اسلاف نے اسے نہیں کیا اور کتاب وسنت میں نہ تو اس کا حکم دیا گیا، اور نہ اس کے استحباب ہی پر کوئی شرعی دلیل موجود ہے جو (عمل) ایسا ہو وہ باتفاق امت مکروہ اور بدعت ہے۔"

عمرہ کے بارے میں شیخ الاسلام کا یہ کلام ہے جب کہ آج کل کے لوگوں کا عمل اس کے برعکس ہے۔ اس چیز نے مجھے اس مسئلہ میں بحث وتحقیق پر مجبور کیا ہے۔ میں نے اس بحث کو صحیح علمی تحقیق کے اصول وقواعد کے مطابق منظم کیا ہے اور قابل اعتماد کتابوں اور اس موضوع کے قائلین کے اقوال کے مصدقہ حوالوں، احادیث کی تخریج اور اس مختلف فیہ مسئلہ میں کتاب وسنت، صحابہ وتابعین کے آثار یا محقق علماء میں سے کسی کے قول پر انحصار کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

پہلا مسئلہ: عمرہ واجب ہے یا مستحب؟

(الف) عمرہ کی تعریف:

لغت کی رو سے عمرہ کے معنی زیارت کے ہیں۔ کہا جاتا ہے: اعتمرتہ یعنی میں نے اس کا قصد کیا۔ شرعی لحاظ سے عمرہ مخصوص طریقہ سے بیت اللہ کی زیارت کا نام ہے۔ ابن المنجیٰ نے کہا ہے "عمرہ مخصوص افعال سے عبارت ہے" اور الشربینی نے کہا: "عبادت کے لیے کعبہ کا قصد عمرہ ہے۔" دونوں باتیں تقریباً ملتی جلتی ہیں۔

(ب) عمرہ کا حکم

فقہاء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ایک سے زائد عمرہ واجب نہیں ہے.
اختلاف پہلی مرتبہ کے بارے میں ہے۔ اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں:

۱۔ عمرہ عمر میں ایک مرتبہ واجب ہے۔ یہ صحابہ و تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں۔ "یہ رائے حضرات عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، جابرؓ، اور طاؤس عطاء، ابن المسیبؒ، سعید بن جبیرؒ، حسن بصریؒ، ابن سیرینؒ، شعبیؒ، مسروقؒ، ابو بردہ بن ابی موسیٰ الحضریؒ، عبداللہ بن شدادؒ اور ثوریؒ کی ہے اور عمرہ کا عمر میں ایک مرتبہ واجب ہونا امام شافعیؒ کا جدید قول ہے اور مذہب شافعیہ میں اسی کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ امام احمدؒ کی دو مشہور روایتوں میں حنابلہ کا مذہب بھی یہی ہے اور بعض حنفیہ نے بھی اس کو صحیح کہا اور اسے اختیار کیا ہے اور یہی ظاہریہ کا مذہب ہے۔ نیز امام بخاریؒ نے بھی اسے اختیار کیا ہے اور مکی اور غیر مکی کے وجوب کے بارے میں کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ حنابلہ کی اس پر نص ہے۔

۲۔ وہ سنت موکدہ ہے، فرض نہیں ہے۔ یہ حنفیہ اور مالکیہ کا قول ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے اور امام شافعی کا قدیم قول اسی کی تائید کرتا ہے۔

۳۔ غیر مکی اور مکی کے مابین فرق کیا جاتا ہے۔ غیر مکی کے لیے اسے واجب کہا جاتا ہے اور مکی پر غیر واجب۔ یہ امام احمدؒ کی روایت ہے۔ ابن قدامہ نے اسے اختیار کیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اسے صحیح کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے۔ "یہ طریقہ ہمارے جد امجد ابو البرکات وغیرہ کا ہے۔" مزید یہ بھی کہا: اس پر امام احمدؒ کی نص ہے۔ انھوں نے یہ بات ایک سے زائد مرتبہ بیان کی ہے کہ اہل مکہ پر عمرہ واجب نہیں ہے جب کہ دوسروں پر واجب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فقہ حنبلی کی یہ محقق رائے ہے کہ عمرہ اہل مکہ پر تو نہیں البتہ دوسروں پر واجب ہے۔

وجوب عمرہ کے قائلین کے دلائل اور ان کا جائزہ:

جو اصحاب عمرہ کے وجوب کے قائل ہیں ان کے دلائل درج ذیل ہیں۔

(الف) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ   اللہ کی خوشنودی کے لیے جب حج اور

عمرہ کی نیت کرو تو اسے پورا کرو۔ (البقرہ: ۱۹۶)

ابن قدامہؒ فرماتے ہیں امر وجوب کا مقتضی ہے اور اس کا عطف حج پر ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ یکساں ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب میں عمرہ کا ذکر حج کے ساتھ آیا ہے۔

اس آیت سے استدلال پر جرح کی گئی ہے: "کہ قرآن نے اپنے بیان میں قران (حج وعمرے کا ایک ساتھ تلبیہ) کو واجب نہیں قرار دیا ہے۔ حکم اتمام کا ہے اور اتمام آغاز کے بعد ہوتا ہے اور ہم یہی کہتے ہیں: اگرچہ ابتدا میں وہ سنت تھا۔ ابن حزمؒ نے اپنے اس قول کے ساتھ اس کا جواب دیا ہے" وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ کا تقاضا وہ نہیں ہے جو انھوں نے بیان کیا ہے۔ وہ آیت تو باہر سے آنے والے کے لیے دونوں (حج وعمرہ) کی حفاظت کا تقاضا کرتی ہے" اور اگر ان کا کہنا درست ہو تو اس سے ان پر حجت قائم ہو گئی؛ اس لیے کہ جب اس میں داخل ہونے والے کو اس کے اتمام کا حکم دیا گیا تو وہ فرض ہو گیا جس کے ساتھ اس کو حکم دیا گیا۔

(ب) الصبی بن معبد سے روایت ہے کہتے ہیں: "میں حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور عرض کیا: امیر المومنین! میں نے اسلام قبول کیا ہے اور میں نے اپنے اوپر حج اور عمرہ فرض پایا، لہٰذا میں نے ان دونوں کا احرام باندھ لیا" حضرت عمرؓ نے فرمایا: تجھے اپنے نبی کی سنت پر عمل کی توفیق ہو گئی۔

(ج) ابورزینؓ سے روایت ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسولؐ! میرے باپ بوڑھے آدمی ہیں، حج وعمرہ اور سفر نہیں کر سکتے حضورؐ نے فرمایا: تو اپنے باپ کی طرف سے حج وعمرہ کر۔ امام احمدؒ نے کہا ہے: "عمرہ کے وجوب کے بارے میں اس سے عمدہ اور صحیح تر میں کسی حدیث کو نہیں جانتا۔"

(د) حضرت عمرؓ بن خطاب سے مروی حدیث (جو حدیث جبرئیل کے نام سے مشہور ہے) اس میں ہے کہ حضرت جبرئیل کے سوال "اسلام کیا ہے" کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسولؐ ہیں اور یہ کہ تو نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے، حج اور عمرہ کرے اور جنابت سے غسل کرے، وضو کو مکمل کرے اور رمضان کے

روزے رکھے۔ جبرئیل نے کہا: اگر میں ایسا کروں تو کیا میں مسلم ہوں؟ فرمایا: ہاں تو جبرئیل نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔

بیہقی نے حدیث کے ان الفاظ سے عمرہ کے وجوب کا استدلال کیا ہے۔ امام نووی اس ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ: بیہقی نے کہا ہے کہ "اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور متن نہیں بیان کیا"۔ یہ بیہقی کا کلام ہے اور صحیح مسلم میں یہ روایت اس صورت میں نہیں اور نہ ہی اس میں عمرہ کا لفظ ہے اور جنابت سے غسل کے الفاظ بھی نہیں، البتہ اس حدیث میں وضو کا ذکر ہے۔ لیکن بیہقی کی اسناد صحیح مسلم میں موجود ہے۔ دارقطنی نے بھی بیہقی کے مثل الفاظ روایت کیے ہیں اور کہا ہے: یہ اسناد صحیح ثابت ہے۔ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ "صاحب التنقیح" نے کہا ہے کہ حدیث کی تخریج صحیحین میں ہوئی ہے، لیکن ان میں یہ الفاظ نہیں ہیں اور اس میں یہ زیادتی شاذ یعنی نامناسب ہے اس سلسلے میں دوسری احادیث ہیں جن میں ضعف اور عدم ثبوت تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔

(ح) حضرت ابن عمرؓ کے غلام نافع سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا: اللہ کی مخلوق میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ اس پر حج اور عمرہ دونوں واجب نہ ہوں جس کو ان کی ادائیگی کی استطاعت ہو اور اس نے اس کے بعد کسی کا اضافہ کیا تو وہ نیکی اور تطوع یعنی نفل ہوگا۔

عمرہ کے عدمِ وجوب کے قائلین کے دلائل

(۱) حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ واجب ہے۔ آنحضور نے فرمایا: نہیں البتہ اگر تو عمرہ کرے تو وہ افضل ہے" اسے امام ترمذی نے کتاب الحج میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حسن صحیح ہے۔

اس حدیث کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ سنداً اور دلالۃً ضعیف ہے۔

سنداً اس کی ضعف کی وضاحت کرتے ہوئے نووی نے کہا ہے: دلیل ضعیف ہے، کیوں کہ اس کا مدار حجاج بن ارطاۃ پر ہے۔ یہ صرف اپنی ہی جہت سے معروف ہے اور ترمذی نے اس کی جہت سے اسے روایت کیا ہے اور حفاظِ حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ حجاج ضعیف اور مدلّس ہے۔ اس نے اپنی حدیث میں کہا ہے (عن محمد بن المنکدر) اور مدلس جب (عن) کے ساتھ روایت کرے تو بلا اختلاف اس سے

استدلال نہیں کیا جاتا، جیسا کہ اہلِ حدیث اور اصول کی کتابوں میں یہ مقرر کردہ معروف اصول ہے اور جمہور علماء نے حجاج کی تضعیف تدلیس کے علاوہ دوسرے اسباب سے بھی کی ہے۔ پھر یہ حدیث کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟ حاصل یہ کہ حدیث ضعیف ہے"۔ اور جہاں تک ترمذی کے قول "یہ حدیث حسن صحیح ہے" کا تعلق ہے تو وہ غیر مقبول ہے۔ اس بارے میں ترمذی کے کلام سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ حفاظ اس پر متفق ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

الکمال بن الہمام نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا اور اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور متعدد طریقے اس کو صحیح کے درجے تک پہنچا دیتے ہیں۔

دلالۃً اس کے ضعف کی وجہ یہ ہے الحجاج بن ارطاۃ کی حدیث اگر صحیح بھی ہو تو تمام لوگوں پر عمرہ کا عدم وجوب لازم نہیں آتا۔ یہ احتمال ہے کہ "لیست واجبة" کے فقرے سے مراد یہ ہو کہ وہ سائل کے حق میں واجب نہ ہو، اس لیے کہ سائل کے اندر استطاعت نہیں تھی یا اس کو معلوم عمرے پر محمول کیا جائے۔ یہ وہ عمرہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے اس وقت ادا کیا تھا جب یہ حضرات حدیبیہ میں محصور ہوکر رہ گئے تھے، یا اس عمرے پر محمول کیا جائے گا جسے صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ادا کیا تھا۔ کیوں کہ یہ عمرہ اس شخص پر واجب نہ تھا جس نے عمرہ ادا کیا تھا یا اس سے عمرے پر محمول کیا جائے جو ایک عمرہ سے زائد ہو۔

(۲) ابن ماجہ نے حضرت طلحہؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے نبیؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "حج جہاد ہے اور عمرہ نفل"

یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کی سند میں عمرو بن قیس ہے جس پر کلام کیا گیا ہے۔ ابن الہمام نے کہا: "یہ اعتراض حدیث کو حسن کے درجے سے نہیں گراتا۔ اس لیے یہ حدیث مطلق حجیت کے درجے سے نہیں گرتی"

یہ حدیث ابوصالح ماہان الحنفی کی سند سے روایت کی گئی ہے۔ اس کے بارے میں ابن حزم نے کہا: "یہ ضعیف اور کوفی ہے" اور اس کی سند کے بارے میں کہا: کہ وہ "مرسل" ہے۔ ابن الہمام نے کہا: ماہان کی تضعیف صحیح نہیں ہے۔ ابن معین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے، مشاہیر کی ایک جماعت نے اس سے روایت کیا ہے۔ مزید کہا: "ابن حزم کا قول ہے کہ یہ مرسل ہے۔ اس کی روایت معاویہ ابن

اسحاق نے ابوصالح ماہان الحنفی سے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے اور عبدالباقی اور ہامان کی تضعیف پر شیخ تقی الدین نے الامام میں اعتراض کیا ہے کہ: عبدالباقی بن قانع بڑے حفاظ میں سے ہیں اور باقی رواۃ ثقہ ہیں۔ علاوہ ازیں مرسل حدیث ہمارے نزدیک حجت ہے اور ہمارا کلام تو تنزل پر ہے یعنی اصل حیثیت سے نیچے اتر کر کیا جا رہا ہے۔ پھر کہا: تقریر کا حاصل یہ ہے کہ جب وجوب کے مقتضیات متعارض ہوں اور نقل ثابت نہ ہوتی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کے اصحاب کا مجرد فعل رہ جاتا ہو تو یہ بات سنت کو واجب کر دیتی ہے۔

غیر مکی پر وجوب کے قائلین کے دلائل

۱۔ ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ ہم سے عبیداللہ بن موسیٰ نے انھوں نے عثمان سے اور انھوں نے عطاء سے روایت کی ہے اہل مکہ پر عمرہ واجب نہیں۔ عمرہ تو وہ کرتا ہے جو بیت اللہ کی زیارت کرے تاکہ وہ بیت اللہ کا طواف کرے اور اہل مکہ جب چاہتے ہیں طواف کرتے ہیں۔

۲۔ ابوبکر بن ابی شیبہ نے کہا ہم سے ابن ادریس نے انھوں نے ابن جریج سے اور اس نے عطاء سے روایت کی کہ انھوں نے کہا کہ اہل مکہ پر کوئی عمرہ نہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: "اے اہل مکہ تم پر کوئی عمرہ نہیں، تمہارا عمرہ طواف ہے۔" (الحدیث)

۳۔ ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور کہا کہ ہمیں خبر دی ہے یحییٰ بن آدم نے وہیب سے اور انھوں نے ابن طاؤس سے اور انھوں نے اس کے والد سے کہ اہل مکہ پر کوئی عمرہ نہیں ہے۔

۴۔ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عمرہ کا رکن اور اس کا بڑا حصہ تو بیت اللہ کا طواف ہے اور اہل مکہ تو طواف کرتے ہی ہیں۔ اس لیے طواف ان کے لیے عمرہ کا قائم مقام ہے۔

قول مختار

فقہاء کے درج بالا اقوال سے واضح ہوتا ہے کہ:

۱۔ عمر بھر میں ایک مرتبہ عمرہ کہنے والوں کا قول ان کے استدلال کی قوت اور مخالفانہ دلائل کی کمزوری کی بنا پر زیادہ وزنی ہے۔

۲۔ اس سے مکی مستثنیٰ ہیں اور وہ تیسرے قول والے اصحاب کے مطابق ہے اور وہ

استدلال کی اس قوت کے مطابق ہے جو انھوں نے حضرت ابن عباسؓ اور عطار سے روایت کیا ہے اور ان دونوں سے روایت ہی کافی ہے ۔حجۃ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں یہ حقیقت ہے کہ اگر اہل مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عمرہ کیا کرتے اور اس کا انھیں حکم دیا گیا ہوتا تو امام اہلِ مکہ ، حضرت ابن عباس اور ان کے بعد عطار بن ابی رباح سے چھپا نہ رہتا، جو کہ اپنے زمانے میں پوری امت سے زیادہ مناسک وغیرہ کے عالم تھے ۔

۳۔فقہار کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک سے زائد عمرہ واجب نہیں ہے ۔بعضوں نے اسے مستحب شمار کیا ہے ۔شافعیہ کا قول ہے کہ وہ فرض کفایہ ہے اور یہ سب کچھ غیر مکّی کے لیے ہے ۔ اہلِ مکہ سے متعلق تیسرے قول والے اصحاب کے خلاف ہماری رائے کا حاصل یہ ہے کہ اہلِ مکہ پر عمرہ کا ہرگز کوئی وجوب نہیں ہے ۔ اس مسئلہ پر الگ سے بھی گفتگو ہوگی ۔

دوسرا مسئلہ :ایک ہی سال میں متعدد بار عمرہ کرنے کا استحباب

جمہور حنفی، شافعی اور حنبلی فقہاء ایک سال میں عمرہ کی تکرار کو مستحب کہتے ہیں ۔

۱۔ابن عابدین حنفی کہتے ہیں امام مالک کے برخلاف عمرہ کی کثرت میں کوئی کراہت نہیں ہے ، بلکہ جمہور نے اسے مستحب کہا ہے ۔

۲۔ نوویؒ شافعی نے کہا : " ایک ہی سال میں دو، تین یا اس سے زیادہ عمرہ کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے ۔

۳ ۔ ابن قدامہ حنبلیؒ کہتے ہیں : " اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک شخص ایک ہی برس میں متعدد بار عمرہ کرے ۔

دلائل اور جائزہ کا آراء

اس قول کے اصحاب کے دلائل درج ذیل ہیں ۔

۱۔صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رضی نے حجۃ الوداع کے سال عمرہ کے لیے احرام باندھا تھا ، ان کو حیض آگیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ وہ حج کے لیے احرام باندھیں اور انھوں نے ایسا ہی کیا اور قارنہ ہوگئیں اور مقامات سے توقف کیا ۔جب طہور حاصل کرلیا ، طواف اور سعی کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے

فرمایا: تمہارے حج اور عمرے کا احرام کھل گیا ہے۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انھیں دوسرا عمرہ کرائیں تو آنحضرتؐ نے انھیں اجازت دے دی۔ انھوں نے تنعیم سے دوسرا عمرہ کیا۔ امام شافعیؒ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہدایت کی کہ وہ حج کا احرام باندھیں اور وہ قارنہ ہوگئیں اور ان کا عمرہ ذی الحجہ میں تھا۔ پھر حضرت عائشہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذی الحجہ میں ہی دوسرے عمرے کا سوال کردیا۔ یہ دونوں عمرے ان کے ایک ہی مہینے میں ادا ہوئے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مہینے میں دو عمروں کے بعد کس طرح کوئی اس کا انکار کرکے یہ گمان کرسکتا ہے کہ عمرہ سال میں صرف ایک مرتبہ ہوتا ہے؟ یا یہ کہ سال بھر میں ایک سے زائد عمرہ نہیں ہوتا۔ ابن قیمؒ نے اس حدیث کی فقہ ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس روایت سے مناسک کے چند بڑے اصول نکالے جاسکتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک سال بلکہ ایک مہینے میں دو عمرے جائز ہیں۔

۲۔ امام شافعیؒ نے حضرت انس بن مالکؓ کے ایک بیٹے سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: ہم مکہ میں انس بن مالکؓ کے ساتھ ہوتے، جب ان کے سر پر بال آجاتے تو وہ مکہ سے باہر نکل کر عمرہ کرتے۔

۳۔ امام شافعیؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ ہر مہینے میں ایک عمرہ ہے۔

۴۔ امام شافعیؒ نے ابن مسیبؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایک سال میں دو عمرے کیے۔ ایک مرتبہ ذوالحلیفہ سے اور دوسری مرتبہ الجحفہ سے۔

ایک دوسری روایت امام شافعیؒ نے قاسم بن محمدؒ سے کی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے سال میں دو مرتبہ عمرہ کیا۔ قاسم کے شاگرد صدقہ نے ان سے سوال کیا کہ کیا کسی نے ان پر عیب لگایا (تنقید کی) انھوں نے کہا: سبحان اللہ! ام المومنین۔ صدقہ کہتے ہیں: یہ سن کر میں شرمندہ ہوگیا۔

۵۔ امام شافعیؒ نے نافعؒ سے روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت زبیرؓ کے عہدِ حکومت میں کئی سال تک ہر سال دو عمرے کیے۔

۶۔ بخاریؒ و مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک عمرہ، دوسرے عمرے تک درمیانی عرصہ کے لیے کفارہ ہے۔

ان روایات سے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ آنحضورؐ نے دو عمروں کے مابین سال یا دو سال کے درمیان کوئی تفریق نہیں فرمائی۔ نوویؒ نے کہا: "لیکن اس کی دلیل واضح نہیں، اگرچہ بیہقی و دیگر اصحاب نے اس سے استدلال کیا ہے اور بیہقیؒ نے اس پر باب بھی باندھا ہے۔" پھر سابق استدلال کی وجہ کا ذکر کیا اور کہا: "یہ تعلیق ضعیف ہے۔"

۷۔ ان فقہاء نے عمرہ کا نماز پر قیاس کرتے ہوئے استدلال کیا ہے کہ یہ وہ عبادت ہے جس کا کوئی وقت متعین نہیں۔ لہٰذا سال بھر میں نماز کی طرح اس کے تکرار میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ: ایک سال میں متعدد عمروں کی کراہت

مالکیہ کا کہنا ہے کہ ایک سال میں متعدد عمرے کرنا مکروہ ہے۔ اور حسن بصریؒ ابن سیرینؒ اور ابراہیم النخعیؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

دلائل و جائزہ :

اس قول کے اصحاب نے درج ذیل استدلال سے کام لیا ہے۔

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ صرف ایک ہی عمرہ کیا کرتے تھے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاروں سفروں کے دوران چار سالوں میں چار عمرے کیے اور آنحضورؐ کا ایک عمرے پر ایک سفر میں دوسرے عمرے کا اضافہ منقول نہیں ہے اور آپؐ کے ہمراہ صحابہؓ نے بھی ایک سے زیادہ عمرے نہیں کیے سوائے حضرت عائشہؓ کے کہ انھوں نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک سے زائد عمرہ کیا تھا۔

ابن قیمؒ نے کہا ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ طریقہ سے ثابت نہیں ہے کہ آپ نے ایک سال میں ایک سے زیادہ عمرہ نہ کیا ہو اور یہ بھی کہ سال میں دو عمرے نہ کیے ہوں بعض لوگوں کا گمان ہے کہ آپؐ نے ایک سال میں دو مرتبہ عمرہ کیا، اس دلیل کی بنیاد پر ابو داؤدؒ نے اپنی سنن میں حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو عمرے کیے۔ ایک عمرہ ذی قعدہ میں اور دوسرا شوال میں اور اس سے متعلق کہا گیا ہے کہ "اس سے مراد اس مجموعے کا ذکر نہیں جو آنحضورؐ نے کیے، کیوں کہ حضرت انسؓ، حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ اور دیگر حضرات نے کہا ہے کہ آپ نے چار

عمرے کیے۔ اس سے یہ مراد لے لیا گیا: "آپؐ نے ایک سال میں دو عمرے کیے۔ ایک ذی قعدہ میں اور دوسرا شوال میں" اور یہ وہم و خیال ہے۔ اگر یہ محفوظ بھی ہو تو یہ واقعہ ہرگز نہیں ہوا۔ اس لیے کہ بلاشبہ آپؐ نے چار عمرے کیے، پہلا عمرہ ذی قعدہ میں تھا جو عمرۂ حدیبیہ ہے، پھر آپؐ نے آئندہ سال عمرہ نہیں کیا۔ پھر ذی قعدہ میں قضا کا عمرہ کیا۔ پھر مدینہ واپس آ گئے اور مکہ تشریف نہیں لے گئے۔ حتیٰ کہ آٹھویں سال رمضان میں مکہ کو فتح کیا اور اس سال عمرہ نہیں کیا۔ پھر آپ چھ شوال کو حنین کی طرف تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے دشمنوں کو شکست دی۔ پھر آپ نے مکہ کی طرف مراجعت فرمائی اور عمرے کا احرام باندھا اور وہ ذی قعدہ میں تھا، جیسا کہ حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے کہا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپؐ نے شوال میں عمرہ نہیں کیا، بلکہ شوال میں دشمن سے مقابلہ کیا اور اسی مہینے مکہ سے نکلے۔ جب آپؐ دشمن سے فارغ ہوئے تو ذی قعدہ کی ایک رات میں عمرہ ادا فرمایا اور اس سال دو عمرے جمع نہیں کیے، نہ پہلے نہ بعد میں، آپؐ کی حیاتِ طیبہ اور احوال سے واقفیت رکھنے والا کوئی شخص اس معاملے میں کسی شک و شبہ میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔"

۲۔ ان فقہاء نے عمرے کو حج پر قیاس کیا۔ حج ایک سال میں صرف ایک مرتبہ ہے اور اسی طرح عمرہ بھی۔

اس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے:

اول۔ حج کا ایک وقت مقرر ہے۔ ایک سال میں اس کی تکرار کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ عمرے کا کوئی متعین وقت نہیں۔ نماز کی طرح اس کی تکرار کا تصور کیا جا سکتا ہے اور اس بارہ میں امام شافعیؒ کا قول ہے: "اگر عمرہ کرنا ہر مہینے درست ہے تو وہ حج کے مشابہ نہیں ہے۔ کیونکہ حج ایک معین مہینے میں ایک دن ہوتا ہے، اگر اسے اس مہینے اور اس دن نہ ادا کیا جائے تو وہ اگلے سال تک کے لیے فوت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا عمرے کو اس پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ وہ تمام باتوں میں حج سے مختلف ہے۔"

دوم: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ایک عمرہ دوسرے عمرے تک

درمیانی عرصہ کا کفارہ ہے اور حج مبرور کا بدلہ تو جنت ہی ہے۔"
یہ حدیث مطلق اور عمومی ہے۔ وہ حج و عمرہ کے مابین فرق کا تقاضا کرتی ہے، اگر عمرہ کا جواز سال میں صرف ایک مرتبہ ہوتا تو وہ حج کی مانند ہوتا اور کہا جاتا کہ حج سے حج تک۔

چوتھا مسئلہ: کثرتِ عمرہ کا اصول اور اس کی پے درپے ادائیگی

عمرہ کے استحبابِ تکرار کے قائلین یعنی جمہور علما، نے عمرہ کی کثرت اور پے درپے اس کی ادائیگی کے حکم میں اختلاف کیا ہے۔ اس سلسلے میں دو اقوال ہیں۔

قول اول: شافعیہ کا قول ہے کہ دو، تین یا اس سے زیادہ عمروں میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ خواہ وہ ایک سال میں ہوں یا ایک دن میں بلکہ ان کی کثرت مستحب ہے اور یہ حنفیہ کا ظاہر مذہب ہے۔ انھوں نے اس کی کثرت کو مستحب قرار دیا ہے اور اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی۔

قول ثانی: حنابلہ بھی عمرے کے تکرار کے مستحب ہونے کے قائل ہیں۔ البتہ انھوں نے کہا ہے کہ عمرے کی کثرت اور اسے پے درپے کرنا سلف کے ظاہر قول میں مستحب نہیں ہے، اور امام احمدؒ نے بھی اسی طرح کہا ہے: "جب عمرہ کیا گیا تو ضروری ہے کہ حلق کیا جائے گا یا قصر، اور حلق دس دنوں میں ممکن ہوتا ہے، تو ظاہر ہے کہ دس دن سے کم دنوں میں عمرہ کرنا مستحب نہیں ہے۔"

یہی رائے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور محب الطبریؒ جیسے محققین کی بھی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: عمرہ کی کثرت اور اسے ہر روز یا ہر دو دنوں میں پے درپے کرنا اس شخص کی مثال ہے جس کا گھر حرم یا میقات کے قریب ہو۔ جس کا مکہ سے دو دن کا فاصلہ ہو وہ مہینے میں پانچ عمرے کرے یا چھ یا اس سے کم وبیش۔ یا جو چاہے کہ مکہ سے ہر روز ایک عمرہ یا دو عمرے کرے تو ایسا سلف صالحین میں سے کسی نے نہیں کیا، بلکہ ان کا اس کی کراہت پر اتفاق ہے۔ اگر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے اصحاب میں سے فقہا کے ایک گروہ نے اسے مستحب قرار دیا ہے تو اس کی اصلاً کوئی دلیل نہیں ہے، سوائے اس کے کہ اس طرح عمرہ ادا کرنا عبادات کے اندر تکثیر ہے، یا ان کا استدلال عمومی دلائل سے ہے جو عمرہ وغیرہ کی فضیلت میں وارد ہوئے ہیں۔

محب الطبریؒ کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں بعض لوگ طواف پر عمرے کی فضیلت کے قائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ عمرے کے ساتھ مشغولیت، طواف میں مشغولیت اور اس کی تکرار سے افضل ہے اور وہ اپنا پورا زور اسی میں لگا دینا چاہتے ہیں حتی کہ ان میں سے کسی میں اتنی سکت اور توانائی نہیں رہتی کہ وہ طواف کر سکے، اور یہ واضح غلطی ہے اور اس کے غلط ہونے پر سب سے بڑی دلیل سلف صالحین کی جانب سے اس کی قولاً و فعلاً مخالفت ہے جب کہ اس کی تکرار اور کثرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ، تابعین، تبع تابعین کسی سے منقول نہیں ہے۔ اسی طرح حرم کے اندر رہنے والے صحابہ کرام اور تابعین عظام سے بھی عمرے کی کثرت منقول نہیں ہے۔ چہ جائے کہ ایک دن یا بعض دنوں میں اس کی ادائیگی کا معاملہ ہو۔

اور اس قول کو معاصرین میں سے فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین نے اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں عمرے کی تکرار جیسا کہ جاہل کرتے ہیں، غلط ہے۔ اہلِ مکہ میں سے بعض لوگ دن کے اگلے پہر عمرہ کرتے ہیں اور پھر دن کے پچھلے پہر عمرہ کرتے ہیں، بلکہ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ آدھا سر منڈا ہوا اور باقی آدھا چھوڑا ہوا ہے جب کہ وہ سعی کر رہا تھا، میں نے اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: کہ یہ آدھا سر میں نے کل کے عمرے میں حلق کیا ہے اور باقی آج کے عمرہ کے لیے ہے۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں نو دن قیام کیا، لیکن آپ عمرہ کے لیے نہیں نکلے۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مشروع امر سے ناواقف تھے؟ ہرگز نہیں، یا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک افضل عمل کو ہلکا سمجھ کر ترک کر دیا تھا؟ حاشا وکلاّ، آپ تنعیم کے قریب ہونے کے باوجود عمرے کے لیے نہیں نکلے۔ لہٰذا عمرے کی تکرار کا عمل جو لوگوں میں پایا جاتا ہے، خلافِ سنت ہے۔

تکرار اور کثرتِ عمرہ میں قولِ مختار

اس مسئلہ میں اختلاف افضلیت سے متعلق ہے تو جس نے کہا کہ عمرہ کی تکرار وکثرت افضل ہے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمومی قول اور بعض

صحابہ اور تابعین کے آثار کو پیش نظر رکھا اور جس نے کہا کہ افضل عدم تکرار و اکثار ہے اور تکرار و اکثار کو مکروہ سمجھا تو وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے اس عمل کی بنیاد پر جو تکرار و اکثار کے خلاف تھا ۔ جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تکرارِ عمرہ کی ترغیب دینے والا قول ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سال میں عمرہ کی تکرار نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی ایسی کوئی آپ سے روایت ہے کہ آپ نے کسی سال ایک سے زائد عمرہ کیا ہو ۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکِ تکرار بعض وجوہ سے ہے ۔ ان میں سے ایک وجہ فرض کیے جانے کا خوف ہے، کیونکہ آپ کسی عمل کو ترک فرما دیتے باوجود یہ کہ وہ آپ کو پسند ہوتا، اس خوف سے کہ لوگ اسے اپنا لیں گے، اور صحابہؓ کا عدمِ فعل ترکِ افضل کی دلیل نہیں ہے ۔

شاطبیؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی عمل کو پسند کے باوجود اس کی فرضیت کے خوف سے اسے ترک کر دیتے تھے ۔ انھوں نے کہا: "صحابہ اس وقت ہی احتیاط کے ساتھ دین میں عمل کرتے جب اس کی اصل شریعت سے معلوم کر لیتے اور وہ قائدین تھے جن کی اقتدا کی جاتی ہے ۔ وہ چیزوں کو چھوڑ دیتے، حالانکہ وہ مطلوب ہوتیں اور اس کا اظہار کرتے تاکہ واضح کریں کہ ان کا ترک ان کے کسی عیب کی وجہ سے نہیں ہے"۔

لیکن بعض صحابہؓ کا فعل جو ان سے عمرے کی تکرار اور اس کی ترغیب میں قولاً یا فعلاً روایت کیا گیا ہے، اسے عبادت کی حفاظت پر محمول کیا گیا ہے، تاکہ وہ متروک ہو کر نہ رہ جائے اور افضل پر استطاعت کے باوجود لازم نہیں کہ مفضول میں مشغول نہ ہوا جائے، ورنہ ہر مفضول عبادت بالآخر مٹ جائے گی اور لوگوں کا ایک ہی عبادت یا (درجے میں) اس کے برابر کی عبادت پر ہی عمل ہوگا۔ مفضول پر بھی عمل ہونا چاہیے، تاکہ سب لوگوں کے یا اکثریت کے اس کے ترک کر دینے کی صورت میں اس کی حفاظت کی جائے ۔ افضل ہے وہ جس نے افضل کی مشغولیت اختیار کی اور غافلین میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ کا ذکر کرنے والوں کے لڑی میں پرو لیا ۔ اسی مصلحت کی بنا پر پڑوس کی مسجد میں نماز کو (دور کی)

بڑی جماعت میں نماز پر فضیلت دی گئی ہے۔ یہ صحابہ کے مسلک کی تاویل ہے جس کا ہم نے صحابہؓ سے تکرارِ عمرہ کے بارے میں ذکر کیا ہے۔

جہاں تک حضرت عائشہؓ کا عمل ہے کہ انھوں نے ایک عمرے کے علاوہ دوسرے عمرے کا احرام مع حج کے باندھا اور دونوں عمرے ایک ہی مہینے میں کیے، اس کو تکرارِ عمرہ کی فضیلت کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا "تیرا بیت اللہ کا طواف اور صفا اور مروہ کے مابین سعی تیرے لیے حج اور عمرہ کو کفایت کرتا ہے۔" اگر تکرارِ عمرہ مطلوب ہوتی تو آپؐ حضرت عائشہؓ کو اسے ترک کرنے کو نہ کہتے اور اس کے علاوہ پر اکتفا کرنے کا ارشاد نہ فرماتے۔ حضرت عائشہؓ کی طیبِ خاطر کے لیے آپؐ نے اس عمرے کی اجازت دے دی تھی۔ مسلم کی روایت میں ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سہولت کو پسند فرماتے تھے۔ جب حضرت عائشہؓ کسی چیز کا ارادہ کرتیں تو آپؐ اس سلسلے میں ان کی بات مان لیتے۔ لہٰذا حضرت عائشہؓ کو آپ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے ساتھ بھیجا، تاکہ تنعیم سے احرام باندھ لیں" لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے عمل کو اختیار نہ فرمانے والے تھے جس میں دین کا نقصان ہوتا۔ یہ اس کے جواز کی دلیل ہے۔ اگرچہ اس کا غیر (یعنی طواف) اس سے افضل ہی ہو۔

فقہاء کے اقوال سے جو بات مجھے بظاہر معلوم ہو رہی ہے وہ یہ کہ تکرار اور کثرتِ عمرہ کے درمیان فرق ہے جو حنابلہ کے قول سے ظاہر ہے جب انھوں نے حنفیوں اور شافعیوں کے ساتھ تکرار کے استحباب میں اور کثرت کی مخالفت میں اتفاق کیا ہے۔

ابن قدامہؒ کہتے ہیں: سال میں متعدد عمرے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے'' اور دوسری جگہ کہا ہے: "لیکن عمرے میں کثرت اور ان میں موالاۃ (پے درپے کرنا) سلف کے ظاہری قول کی رو سے مستحب نہیں ہے' امام احمدؒ نے اسی طرح کہا ہے اور شاید انھوں نے اس سے مکہ سے دور کے آفاقی کے لیے تکرار کا استحباب مراد لیا ہو، جب کہ وہ اپنے ملک سے سفر کا آغاز کرتا ہے۔ وہ مطلوبہ عمرہ ہے، جس میں متابعت کی ترغیب دی گئی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول" حج اور عمرہ میں

متابعت کردہ سے مراد مکہ سے عمرہ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو صحابہؓ آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے، خواہ وہ حکم وجوب کا ہوتا یا استحباب کا۔ صحابہؓ اور تابعین کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے آپؐ کی سنت کو اور اس چیز کو جس کی انھیں رغبت دلائی گئی ہو، سب نے ترک کر دیا ہو جس نے ایسا کیا اس نے نیا کام کیا اور جب وہ مکہ سے عمرہ نہیں کیا کرتے تھے تو جان لینا چاہیے کہ حدیث کا وہ مقصود ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد وہ عمرہ ہے جسے وہ جانتے تھے اور ادا کرتے تھے اور وہ باہر سے آنے والے کا عمرہ ہے۔

شیخ الاسلامؒ نے دوسری جگہ کہا ہے کہ "یہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمرے کا ارادہ فرمایا جس کو مخاطبین جانتے تھے، اور وہ تھا کسی شخص کا عمرہ کرنے کے لیے (باہر سے) آنا اور اگر کوئی مکی عمرہ کرنے کے لیے حِل سے عمرہ کرے تو یہ ایسا امر ہے جسے صحابہؓ نہ جانتے تھے اور نہ کرتے تھے اور نہ اس کا حکم دیتے تھے، تو حدیث سے یہ کیسے مراد ہو سکتا ہے؟"

ایک اور مقام پر انھوں نے لکھا ہے کہ "شرعی عمرہ جات کی کثرت اس طرح ہے جیسے کوئی اپنے گھر سے قریب کی جگہ سے روانہ ہو اور میقات سے عمرے کا احرام باندھے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کیا کرتے تھے۔ تو یہ عمرہ ان کے ہاں معروف تھا۔" اس کی بنیاد پر میں سمجھتا ہوں کہ جس کا قول ہے کہ غیر مکی کے لیے عمرہ کی تکرار مستحب ہے وہ قول قوی ہے، اس معنی میں کہ وہ ہر عمرہ کے لیے علیٰحدہ مستقل سفر کرتا ہے اور اپنے اہل وعیال کے پاس سے اس کے لیے احرام باندھتا ہے۔ لیکن اس میں کثرت یہ ہے کہ وہ عمرہ کے لیے مکہ آئے اور پھر حل سے اس کی تکرار کرے تو یہ نبیؐ اور آپؐ کے صحابہ کے فعل کے خلاف ہے اگر کسی صحابی سے مروی ہو کہ اس نے ایسا کیا تو میں نے اس کی توجیہ بیان کر دی ہے اور میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں جس پر محب الطبریؒ اپنے اس قول میں پہنچے ہیں: "باوجود اس کے کہ ہم عمرہ کی تکرار کا دعویٰ نہیں کرتے، بلکہ کہتے ہیں کہ وہ بڑی فضیلت اور بڑی قدر وقیمت والی عبادت ہے، لیکن طواف کی تکرار میں مشغولیت اس کی مدت کے برابر عمرہ میں مشغولیت سے افضل ہے"

پانچواں مسئلہ: مکّی عمرہ

امام احمدؒ نے عمرہ کے سلسلے میں مکّی اور غیر مکی کے درمیان فرق کیا ہے۔ انھوں نے غیر مکی کے لیے اسے واجب قرار دیا ہے لیکن جہاں تک مکی کا تعلق ہے اس کے لیے اصلاً کوئی عمرہ نہیں، کیوں کہ عمرہ کی جگہ بیت اللہ کا طواف اس کے لیے کافی ہے۔ بلکہ ہم نے اس بحث کے مقدمہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی رائے کی طرف اشارہ کیا تھا کہ بیت اللہ کا طواف ترک کر کے عمرہ کرنا بدعت ہے، کیوں کہ سلف نے ایسا نہیں کیا۔ اس سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ بحث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طواف افضل ہے اور اس پر دلیل ہے کہ مکہ سے عمرہ کرنا اور طواف کا ترک کرنا مستحب نہیں ہے لیکن طواف بغیر عمرہ کے مستحب ہے۔ بلکہ اس وقت عمرہ بدعت ہے، ایسا سلف نے کیا اور نہ کتاب وسنت ہی میں اس کی ہدایت کی گئی ہے اور نہ اس کے استحباب ہی پر کوئی شرعی دلیل موجود ہے۔ لہٰذا ایسا کرنا باتفاق علماء مکروہ بدعت ہے۔" شافعیہ مسلک کے محقق محب الطبریؒ نے اس رائے سے اتفاق کیا ہے اور کہا ہے کہ بیت اللہ کے طواف کی کثرت عمرہ سے افضل ہے۔ لیکن انھوں نے اس فعل کو بدعت نہیں کہا جس طرح کہ حجۃ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے، بلکہ اسے مکروہ بھی نہیں کہا۔ ان کا قول ہے: "باوجود اس کے کہ ہم اس کی تکرار کی کراہت کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ وہ بہت فضیلت والی اور بڑی قدر وقیمت والی عبادت ہے، لیکن اس کی مدت کے برابر طواف کی تکرار میں مشغولیت افضل ہے۔ واللہ اعلم۔"

عمرہ کی عدم مشروعیت پر شیخ الاسلامؒ کے دلائل درج ذیل ہیں۔

عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے حرم چھوڑ کر حِل کی طرف نکلنا عہدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کبھی کسی نے نہیں کیا، سوائے ام المومنین عائشہؓ کے حجۃ الوداع میں باوجود یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایسی ہدایت نہ دی تھی، بلکہ حضرت عائشہؓ کی وہاں سے واپسی پر اجازت دے دی۔ لیکن جن صحابہؓ نے آپؐ کے ساتھ حجۃ الوداع کیا ان میں سے اول سے لے کر آخر تک، حج سے پہلے اور نہ بعد میں عمرہ کے لیے تنعیم، حدیبیہ جعرانہ یا اور کہیں نہیں نکلے۔ اسی طرح سے اہلِ مکہ میں سے بھی کوئی عمرہ کے احرام

کے لیے مکہ سے نہیں نکلا، اور نہ ہی وہ صحابہؓ نکلے جو فتح مکہ کے وقت سے ماہِ رمضان ۸ھ تک مکہ میں مقیم تھے حتیٰ کہ وہ سال پورا ہوگیا۔ ان میں سے کسی نے مکہ سے عمرہ نہیں کیا اور ان میں سے کوئی حِل کی طرف نہیں نکلا کہ وہاں سے احرام باندھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں رہتے ہوئے حدیبیہ سے عمرہ کیا اور نہ ہی جعرانہ اور نہ کسی دوسری میقات سے، بلکہ چار عمرے کیے: تین منفرد طور پر اور ایک اپنے حج کے ساتھ اور سارے عمرے مکہ کی طرف باہر سے آتے ہوئے کیے، نہ کہ مکہ سے حِل کی طرف نکل کر۔ جس نے یہ سمجھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے حدیبیہ یا جعرانہ سے عمرہ کیا اس نے بڑی فاش غلطی کی۔ یہ بات کوئی نہیں کہہ سکتا سوائے اس شخص کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی سیرت سے بے خبر ہو۔ اگر بڑے علماء میں سے کسی گروہ نے اس کے ساتھ مکہ سے عمرہ پر دلیل لی بھی ہے تو واضح ہو چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ میں سے کسی نے بھی اپنی زندگی میں مکہ سے، فتح مکہ اور اس کے دارالاسلام ہو جانے کے بعد، سوائے حضرت عائشہؓ کے، عمرہ نہیں کیا۔

۲۔ مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر آپ کی وفات تک، جب مکہ میں ہوتے، مکہ سے عمرہ نہ کرتے تھے بلکہ طواف کرتے، اور ہر سال حج کرتے اور بغیر عمرہ کے ہر وقت طواف کرتے اور یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ مکہ والوں کے لیے شریعت کا منشا صرف طواف ہے اور یہ کہ ان کے لیے یہی افضل ہے، بجائے اس کے کہ وہ عمرہ کے لیے نکلیں اور یہ ممکن نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے عہد میں تمام صحابہؓ نے افضل کو ترک کر کے مفضول پر مداومت کرنے پر اتفاق کر لیا ہو، اور ان میں سے کسی نے افضل پر عمل نہ کیا ہو اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب دی ہو۔ اہلِ ایمان میں سے کوئی بھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

۳۔ جامعینِ حدیث اور اصحابِ سنن نے جب بھی ارادہ کیا کہ وہ سنت کے ساتھ مکہ سے عمرہ کا ذکر کریں تو ان کے پاس ماسوائے حضرت عائشہؓ کے مسئلہ کے اور کوئی دلیل نہیں تھی اور یہ بات معلوم ہے کہ اس سے کم تر جو دلیل ہے اسے نقل کرنے پر لوگوں نے بڑی ہمت اور بڑے جذبہ کا ثبوت دیا ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اہلِ مکہ سارے یا بعض حرم سے حِل کی طرف نکلا کرتے کہ وہاں سے عمرہ کریں تو اس کی روایت کی

جاتی جیسا کہ ان کا حج کے لیے عرفات کی طرف نکلنا مروی ہے۔

۴۔ عمرہ طوافِ بیت اللہ اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کا جامع ہے اور وہ خود حرم سے متعلق ہے اور حرم میں دائماً ہے۔ صفا و مروہ کے مابین سعی عمرہ کے تابع ہے لہٰذا وہ طوافِ بیت اللہ کے بعد ہی کیا جاتا ہے اور اس کی تکرار نہیں ہوتی، نہ حج میں اور نہ عمرہ میں اور عمرہ سے بڑا مقصود تو طوافِ بیت اللہ ہے اور اہلِ مکہ کے لیے حرم سے نکلے بغیر وہ ممکن ہے، لہٰذا انھیں وہاں سے نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

۵۔ مکہ میں آنے والے کا مقصد طواف اور اعتکاف ہے اور اہلِ مکہ کو یہ سہولت فطری طور پر حاصل ہے۔ پس جسے وسیلہ کے بغیر مقصد تک رسائی ممکن ہو اسے مقصود کو چھوڑ کر وسیلہ کے ساتھ مشغول ہونے کا حکم نہیں دیا جاتا۔ کیوں کہ یہ معلوم ہے کہ چلنے والے کا بیت اللہ کے گرد طواف کے لیے چلنا مطلوبہ عبادت ہے اور حل سے چل کر آنا، اس کی طرف وسیلہ اور راستہ ہے، تو جس نے اس مقصود عبادت میں چلنا ترک کیا اور وسیلے میں مشغول ہو گیا تو وہ گمراہ اور حقیقتِ دین سے غافل ہے۔ وہ شخص بڑا شریر اور جاہل ہے جو مسجد کے قریب رہتا ہو اور اس کے لیے جمعہ کے دن مسجد میں سویرے پہنچنا ممکن اور اس میں نماز پڑھنا آسان ہو، وہ دور کے کسی مقام کی مسجد کا ارادہ کرلے اور قریبی مسجد میں نماز مقصودہ سے، جو اس کے لیے ممکن تھی، اپنے آپ کو محروم کرلے۔

۶۔ اعتمار کا لفظ باب "افتعال" سے ہے، اس کا مادہ عَمَرَ یَعْمُرُ ہے، اور اس کا اسم "العمرۃ" ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ (البقرہ:۱۵۸) اور فرمایا اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (التوبۃ : ۱۹) اور مساجد کی آبادی سے مراد ان میں عبادت ہے، اسی کے لیے ان کی تعمیر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ (التوبہ : ۱۸) اور بیت اللہ کا مقیم زیارت کے لیے آنے والے کی نسبت عمارۃ (آباد کرنے) کا زیادہ حق دار ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ عمرہ زیارۃ ہے۔ اس لیے کہ عمرہ کرنے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ حل سے داخل ہو اور وہ زیارت ہے، لیکن پہلے کو عمارۃ کہتے ہیں

اور لفظ عمارۃ عمرہ کے لفظ سے احسن ہے اور لفظ میں زیادتی معنی میں زیادتی کے لیے ہوتی ہے اور جب معاملہ ایسا ہے تو مقیم اس میں طواف کرنے والا ہوتا ہے اور عبادت کے ساتھ اسے آباد کرتا ہے، تو گویا ایسے شخص نے وہ عمل کر لیا جو عمرہ کرنے والے کے مفہوم سے زیادہ مکمل ہے اور اس نے عمرہ سے مقصود عبادت بھی ادا کر لی۔ اس لیے اس کے حق میں اسے ترک کرنا مستحب نہیں ہوگا۔ وہ اس طرح کہ وہ مسجد کو آباد کرنے کے عمل سے باہر نکل آئے، تاکہ بعد میں مسجد کا آباد کرنے والا بن جائے۔ اس لیے یہ طریقہ اعلیٰ چیز کو ترک کر کے ادنیٰ کو حاصل کرنے کے مترادف ہے۔

۷۔ سعید بن منصورؒ نے اپنی سنن میں طاؤسؒ سے روایت کی ہے اور طاؤسؒ حضرت ابن عباسؓ کے جلیل القدر اصحاب میں سے ہیں۔ ان کے قول کے مطابق:
"وہ لوگ جو تنعیم سے عمرہ کرتے ہیں، میں نہیں جانتا کہ انھیں اجر ملے گا یا عذاب؟ ان سے پوچھا گیا: انھیں عذاب کیوں دیا جائے گا؟ جواب دیا: کہ وہ بیت اللہ کا طواف چھوڑتے ہیں اور چار میل باہر نکل کر پھر وہاں سے آتے ہیں، اتنی دیر میں دو سو مرتبہ طواف ہو جاتا اور بیت اللہ کا طواف کسی دوسری چیز کی طرف چل کر جانے سے افضل ہے۔
شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے: کہ ابو طالب نے طاؤسؒ کا یہ قول امام احمدؒ کو سنایا تو امام احمدؒ نے اس کی توثیق کر دی۔

۸۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا "تین دن کے روزے یا دس مسکینوں کو صدقہ مجھے زیادہ پسند ہے اس عمرے سے جو میں نے تنعیم سے کیا۔"

۹۔ عبدالرزاق نے اپنی مصنّف میں روایت کی ہے: کہ مجھے اس شخص نے خبر دی جس نے عطاء کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ ایک ہفتے کا طواف تیرے لیے مدینہ کا سفر کرنے سے بہتر ہے۔ اس نے کہا کہ میں جدہ سے آجاؤں، عطاء نے جواب دیا کہ نہیں۔ تمھیں صرف طواف کا حکم دیا گیا ہے۔" پھر میں نے کہا، کیا میں شجرہ کی طرف نکل جاؤں اور وہاں سے عمرہ کروں؟" کہا کہ "نہیں"۔

۱۰۔ ابوبکر بن ابی شیبہؒ نے اپنی مصنّف میں روایت کی ہے کہ ہمیں وکیع نے سفیان سے اور انھوں نے اسلم منکری سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا کہ "میں نے عطاء سے پوچھا: میں مدینہ کی طرف نکل کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میقات سے عمرہ

کے لیے احرام باندھوں، تو کیا یہ میرے لیے بہتر ہے؟ انھوں نے کہا: تیرا بیت اللہ کا طواف میرے نزدیک مدینہ کے سفر سے زیادہ پسندیدہ ہے؟

مکی عمرہ کو اختیار کرنے والا

چاروں مذاہب کے فقہاء اس پر متفق ہیں کہ فی الجملہ مکہ سے عمرہ مشروع ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کہا: "اس میں کوئی نزاع نہیں اور اس کے جواز پر ائمہ متفق ہیں، بلکہ فقہاء نے کہا ہے مکی کے لیے میقات حل ہے۔ ہدایہ میں آیا ہے:" جو مکہ میں ہو حج میں اس کی میقات حرم ہے اور عمرہ میں حل۔"

الکافی نے اہلِ مدینہ کی فقہ میں لکھا ہے: "مکہ کا رہنے والا حج کا احرام مکہ سے باندھے اور عمرہ کے لیے جس حل سے چاہے احرام باندھے۔"

المہذّب میں آیا ہے: "جو اہلِ مکہ میں سے ہو اور اس کا ارادہ حج کا ہو تو اس کی میقات مکہ ہے اور اگر وہ عمرہ کا ارادہ کرے تو اس کی میقات قریبی حل ہے۔"

الاقناع اور اس کی شرح میں آیا ہے: "اہلِ مکہ اور جو بھی حرم (منیٰ اور مزدلفہ) میں ہو تو جب وہ عمرہ کا ارادہ کرے تو حل سے کرے گا۔"

المحلّٰی میں آیا ہے: "جو شخص مکہ میں ہو اور اس نے حج کا ارادہ کیا تو اس کی میقات مکہ کی منزلیں ہیں اور اگر عمرہ کا ارادہ کرے تو حل کی طرف نکلے اور وہاں سے احرام باندھے۔"

اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کے لیے تنعیم کو حد مقرر کیا، ابوبکر بن ابی شیبہ نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ: لوگوں کے لیے حدیں پانچ ہیں۔ اہلِ مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ اور اہلِ مکہ کے لیے تنعیم (الحدیث)

یہ روایت اگرچہ مرسل ہے تاہم اس کی سند صحیح ہے۔ اس کے تمام رواۃ ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں جیسا کہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے۔

ابن عبدالبر نے کہا ہے: "سعید بن المسیبؒ، محمد بن سیرینؒ اور ابراہیم النخعیؒ کی مرسل روایات ان کے ہاں صحیح ہیں اور ابن عباسؓ سے بھی روایت ہے کہ انھوں نے کہا اے اہلِ مکہ تم اگر عمرہ نہ کرو تو تمہارا کوئی نقصان نہیں، اگر تم ایسا کرنا ہی چاہو تو اپنے اور حرم کے مابین بطنِ وادی کو حائل کر لو۔

اور اس اجماع کے ساتھ مجھے عدم مشروعیت کا یقین کرنے کی استطاعت نہیں ہے چہ جائیکہ مکہ سے عمرہ کرنے والے کے لیے بدعت یا اس کی گمراہی یا اس کی جہالت تسلیم کروں، جب کہ اس کا فعل چار مذاہب سنت میں سے ایک یا اس سے زیادہ کے موافق ہے۔ ان چاروں مذاہب کے ائمہ بلکہ ان کے اصحاب، سنت اور لغت دونوں میں امام ہیں اور وہ نصوص کے تقاضوں اور ان کے دلائل کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ لہٰذا ان کا باطل، بدعت اور گمراہی پر اتفاق ناممکن ہے۔ لیکن عمرے اور بیت اللہ کے طواف کی کثرت کے مابین تقابلی فضیلت پر غور باقی رہ جاتا ہے اور وہ (طواف) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور شافعیہ میں سے المحب الطبریؒ کے انتخاب کے مطابق افضل ہے، یہ میری نظر میں قوی قول ہے، جب کہ نبی اور صحابہؓ کی طرف سے عمرہ کی تکرار وارد نہیں ہے اور ان سے مکہ کی اقامت کے دوران طواف کی تکرار ثابت ہے۔ انھوں نے مزید کہا ہے کہ وہ طواف کرنے والے جو مناسک کی ادائیگی کے لیے باہر سے آئے ہیں، ان طواف کرنے والوں سے زیادہ حق دار ہیں جو نفلی طور پر طواف کرنے والے ہیں۔ لہٰذا انسان کے لیے مناسب ہے کہ جب وہ مطاف کو بھرا ہوا دیکھے تو لوگوں کے لیے رکاوٹ نہ بنے اور وہ نماز اور قراءت میں مصروف ہو جائے۔ یہ اس کے لیے بہتر ہے، کیونکہ شریعت جذبات پر مبنی نہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف نہیں کیا، باوجود یہ کہ وہ آپ کے لیے آسان تھا تو معلوم ہوا کہ حج کے زمانے میں مناسب نہیں کہ مکہ کا کوئی شخص ان لوگوں کے لیے رکاوٹ بنے جو مناسک کی ادائیگی کے لیے باہر سے آئے ہوئے ہیں، پھر جب اسے گنجائش ملے تو طواف کرے، کیوں کہ طواف بلاشبہ افضل اعمال میں سے ہے۔

چھٹا مسئلہ: کسی دیگر شخص کو ثواب پہنچانے کے ارادہ سے عمرہ کی تکرار اور کثرت

بہت سے مسلمان، خصوصاً وہ جو حرمین شریفین میں باہر کے علاقوں سے فریضۂ حج یا عمرہ کی ادائیگی کے لیے آتے ہیں، وہ بیت اللہ شریف کے قرب اور اس کے ساتھ اپنی موجودگی کو غنیمت شمار کرتے ہیں اور جب مناسک کی ادائیگی سے فارغ ہوتے ہیں تو حل کی

طرف چلنا شروع ہو جاتے ہیں اور عمرہ کی صورت میں اس کا ثواب اپنے اقارب کو پہنچانے کے ارادے سے حرم میں داخل ہوتے ہیں، ایک دفعہ اپنی والدہ کے لیے، دوسری دفعہ اپنے والد کے لیے، تیسری دفعہ اپنے بھائی کے لیے، علیٰ ہذا القیاس، یہ عمل تین وجوہ سے قابلِ اعتراض ہے۔

اول: ہم نے سابقہ مسئلہ میں واضح کیا ہے کہ مکی عمرہ اگرچہ مباح ہے تاہم غیر مستحب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اور ان کے تابعین حل کی طرف نہیں گئے کہ عمرہ کے ارادے سے داخل ہوں اور جس نے ایسا کیا اس نے اس کی تاویل کی ہے۔ ہم نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ بیت اللہ کا طواف مکی عمرہ سے اپنی شرط کے ساتھ افضل ہے۔ یہ اس شخص کی نسبت سے ہے جو اپنی ذات کے لیے عمرہ کرے اور یہی حال اس شخص کا ہے جو عمرہ کرکے اس کا ثواب اپنے اقارب میں سے کسی کو پہنچائے کیوں کہ اس کا مکہ سے حل کی طرف نکلنا، تاکہ وہ عمرہ کے لیے داخل ہو، غیر مشروع ہے۔ اگرچہ وہ کسی دوسرے کے لیے ہو، اس لیے کہ عمرہ کرنے والا شخص وہ خود ہے، نہ کہ اس کی ماں یا باپ اور اہم چیز تو فعل ہے اور فعل تو شخصِ واحد سے ہی واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا پہلا، دوسرا اور تیسرا عمرہ ایک ہی شخص کی طرف سے ہے۔

دوم: فقہاء کی رائیں بدنی اعمال کا ثواب پہنچانے کے سلسلے میں مختلف ہیں۔ جب کہ عمل زندہ کا ہو اور اس کا ثواب مردہ کے لیے ہو، ان میں سے دو رائیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں اور ایک وسط ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک میّت کی طرف سے زندہ کی نیابت جملہ بدنی اعمال میں جائز ہے، جب عمل زندہ کا ہو اور وہ اس کا ثواب میّت کو پہنچانے کی نیت کرے تو وہ اس کو نفع دیتا ہے۔

اس کے برعکس مالکیہ اور بعض حنفیہ کی رائے ہے کہ جملہ اعمالِ بدنیہ میں کوئی نیابت نہیں، اس لیے انھوں نے کہا کہ جب عمل زندہ کا ہو اور اس کا ثواب مردہ کو پہنچایا جائے تو وہ اس کو کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ شافعیہ کی رائے درمیانی ہے۔ انھوں نے کہا نیابت اس میں جائز ہے جس میں شارع علیہ السلام سے نص وارد

وارد ہوئی ہے اور وہ امام شافعیؒ کے نزدیک فقط حج کے بارے میں صحیح ہے اور ان کے شاگردوں نے روزوں کو بھی صحیح کیا ہے، کیوں کہ اس کے بارے میں بھی صحیح حدیث وارد ہے۔ شاگردوں نے اس قول کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف کی ہے، اس لیے کہ انھوں نے اس قول کو حدیث کی صحت پر معلق کیا ہے۔

ہر فریق نے اپنے مسلک کی بنیاد پر نقلی اور نظری دلائل کے ساتھ استدلال کیا ہے، یہ موقع اس کی تفصیل کا نہیں ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس کو اس حد تک محدود رکھنا چاہیے جس حد تک شارع علیہ السّلام کی طرف سے صحیح نص وارد ہوئی ہے اور وہ ہے میّت پر واجب روزہ اور حج کی قضا اور اس کی ذمہ داری سے اس کی برات اور اس پر عمل کا ثواب میت تک پہنچانا اللہ کے ہاتھ میں ہے، جب کہ اس کی بنیاد قبولیت پر ہے، لیکن بقیہ اعمال کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے اور عدم ایصالِ ثواب کہنے والوں کی بنیاد اللہ کا وہ قول ہے وَاَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم: ۳۹) ہم نے اس مسئلے میں اتنی ہی وسعت اختیار کی ہے جتنی ہمارے سلفِ صالحین نے خیر القرون میں اختیار کی تھی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے کہا ہے: "عمل جو خیر القرون میں مسلمانوں کے درمیان معروف تھا وہ یہ کہ وہ لوگ شرعی طریقوں سے مختلف انواع میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے، نماز اور روزے میں، قراءت اور اذکار میں، فرض میں بھی، نفل میں بھی اور وہ زندہ لوگوں کے علاوہ فوت شدہ اہلِ ایمان کے لیے بھی ان کی نمازِ جنازہ میں اور قبروں کی زیارت وغیرہ کے موقعوں پر دعا کرتے تھے، جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے۔ سلف کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ تمام مقبول دعاؤں کے خاتمے پر انسان اپنے لیے اپنے والدین، اپنے اساتذہ، بزرگوں اور ان کے علاوہ مومن مردوں اور عورتوں کے لیے دعا کرے۔ اس انداز سے دعا کرنا مشروع ہے۔ قیام لیل اور قبولیتِ دعا کے مواقع پر ان کے لیے اس طرح دعا کی جائے۔" مزید فرماتے ہیں "سلف کی یہ عادت نہیں تھی کہ جب وہ نفلی نماز پڑھتے، روزے رکھتے، حج کرتے اور قرآن پڑھتے تو اس کا ثواب تمام فوت شدہ مسلمانوں یا مخصوص فوت شدہ مسلمانوں کو پہنچاتے ہوں، بلکہ ان کی عادت وہ تھی جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں اور لوگوں کے لیے

مناسب نہیں ہے کہ وہ سلف کے طریقے سے ہٹیں کیوں کہ وہ افضل واکمل ہے۔"

موجودہ دور کے ممتاز سلفی عالم الشیخ بن عثیمین نے کہا ہے: "ہم اپنے بھائیوں کو ایک سفر میں ایک عمرے کی نصیحت کرتے ہیں اور تکرار سے منع کرتے ہیں، ہم کہتے ہیں کہ ہر عمرے کے لیے ایک سفر ہے، یا دوسرے لفظوں میں ایک سفر میں ایک ہی عمرہ ہے اور یہی سلف سے معروف ہے اور وہ راستہ بہترین ہے جس پر چل کر سلف صالحین کی پیروی جائے۔"

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ "میرا ارادہ ہے کہ پہلا عمرہ میں اپنے لیے اور دوسرا اپنے ماں باپ کے لیے کروں تو اس سلسلے میں کیا حکم ہے؟"

اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک تیرا اپنے ماں باپ کے لیے عمرے کا تعلق ہے، تو عمرہ کرنے والا تو تو ہی ہے، نہ کہ تیرے ماں باپ اور اہمیت تو فعل کی ہے اور فعل شخصِ واحد انجام دے رہا ہے۔ لہٰذا پہلا عمرہ بھی تیرے لیے ہے اور دوسرا عمرہ بھی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ مخلوق کے خیرخواہ ہیں اور تمام مخلوق میں سے سب سے زیادہ جاننے والے ہیں کہ اللہ عزوجل کی رضا کس چیز میں ہے۔ تو جب آپ نے فرمادیا: "جب ابنِ آدم فوت ہو جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے: صدقۂ جاریہ، علم صالح جس سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہو اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے"۔ اور نہیں فرمایا کہ نیک اولاد اس کے لیے نماز پڑھے یا اس کی طرف سے صدقہ دے یا عمرہ کرے، اگرچہ گفتگو کا سیاق اعمال کا سیاق تھا۔ اگر فوت شدگان کی طرف سے شریعت کے مطابق اعمال ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کی وضاحت فرمادیتے۔

اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ میں اپنے ماں باپ کے لیے عمرہ کروں یا ان دونوں کے لیے اللہ سے دعا کروں؟" ان میں سے کون سا عمل افضل ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ افضل یہ ہے کہ تم دونوں کے لیے دعا کرو، کیوں کہ یہی وہ چیز ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی ہے اور یہ ہمارا کام نہیں ہے کہ ہم اس شخص پر نکیر کریں جو اپنے ماں باپ کی طرف سے عمرہ کرے یا صدقہ

کرے۔ نہیں، لیکن ہم کہتے ہیں بلا شبہ افضل اس چیز کا اتباع ہے جس کی طرف ہماری رہنمائی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اور وہ ان دونوں کے لیے دعا ہے۔ پس اپنے لیے عمل صالح کر کیوں کہ وہ وقت جلد آنے والا ہے جس میں تم حسنات کی زیادتی کے محتاج ہو گے۔

سوم: عمرہ کی تکرار اس شخص کے لیے تنگی کا باعث ہے فرض مناسک ادا کر رہا ہے، خصوصاً حج کے موقع پر یا رمضان المبارک کی ستائیسویں رات میں، جب کہ اس قسم کے اوقات میں فرض مناسک کی ادائیگی کرنے والوں کا اژدحام ہوتا ہے تو مطاف اور مقام سعی پر بھیڑ ہو جاتی ہے اور بعض لوگوں کی ہلاکت یا کسی کی تکلیف کا باعث بنتی ہے، خصوصاً جو لوگ ان میں مریض، بوڑھے اور عورتیں ہوں اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا شریعت میں ممنوع ہے اور وہ امر جس سے کوئی فساد پیدا ہوتا ہو وہ شریعت میں قابل رد ہے، اگرچہ اس میں کرنے والے کے لیے کوئی مصلحت پائی جاتی ہو۔ اس سلسلہ میں فقہاء نے ایک اصول مقرر کیا ہے کہ "مفاسد کا ہٹانا مصالح کے حصول سے بہتر ہے۔" جب مفسدہ اور مصلحت متعارض ہوں تو مفسدہ کو دفع کرنے میں زور دار پہل کی جائے کیوں کہ شارع کی ممنوعات کا اہتمام بنسبت مامورات کے زیادہ ضروری ہے، ان وجوہ سے میرا میلان ثواب پہنچانے کی نیت سے عمرے کی تکرار میں عدم مشروعیت کی طرف ہے۔

نتائج بحث

۱۔ غیر مکی پر عمرہ کے وجوب اور مکی پر عدم وجوب کا قول میری نظر میں قوی ہے۔

۲۔ فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایک سے زائد بار عمرہ واجب نہیں ہے۔ اس کی حیثیت استحباب اور فرض کفایہ کے مابین ہے۔

۳۔ عمرہ کی تکرار اور اس کی کثرت میں حنابلہ کے نزدیک فرق ہے۔ وہ بغیر کثرت کے استحباب کے قائل ہیں اور انھوں نے واضح کیا ہے کہ تکرار کرنے والے آفاقی سے ان کی مراد وہ شخص ہے جو اپنے گھر سے عمرہ کا احرام باندھے۔ یہ وہ عمرہ ہے جس کی ترغیب شرع میں وارد ہوئی ہے۔ رہ گیا وہ شخص جو کثرت سے عمرہ کرنا چاہے

تو وہ مکی اور مکی کے حکم میں داخل ہونے والا شخص ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو مکہ سے نکل کر عمرہ کا احرام باندھنا چاہتا ہے۔ اس لیے ان حضرات نے اس عمرہ کے عدم استحباب کا قول اختیار کیا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کے عمل کے خلاف ہے۔

۴۔ جمہور فقہاء کے نزدیک تکرار اور کثرتِ عمرہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان میں شوافع نے اس کے استحباب کی بات کہی ہے۔ حنفیہ کا ظاہری قول بھی یہی ہے اور مالکیہ نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔

۵۔ مجھے ان حضرات کا قول قوی نظر آتا ہے جنھوں نے تکرارِ عمرہ میں استحباب کی بات کہی ہے اور وہ اس صورت میں کہ قصد کرنے والا ہر عمرہ کے لیے ایک مستقل سفر کرے اور اپنے گھر سے اس کے لیے احرام باندھے۔ اس کی ترغیبات میں احادیث وارد ہوئی ہیں۔

۶۔ اہلِ مکہ اور جو ان کے حکم میں داخل ہوں، ان کے لیے بیت اللہ کے طواف کی کثرت مکی عمرہ سے افضل ہے، کیوں کہ طواف کی کثرت کے جواز میں شرعی حکم وارد ہے اور مکی عمرہ کی کثرت میں کوئی شرعی دلیل وارد نہیں ہے، سوائے اس کے کہ کثرت کی مشروعیت گنجائش کی حالت میں ہوتی ہے، جب کہ بھیڑ بھاڑ میں کسی ایسے شخص کو ایذا پہنچانا جائز نہیں ہے جو فرض مناسک ادا کر رہا ہو۔

۷۔ افضل پر قدرت سے لازم نہیں آتا کہ مفضول کے عدمِ جواز کا فتویٰ دیا جائے، ورنہ یہ بات مفضول کے مٹ جانے اور ایک ہی عبادت پر لوگوں کی توجہ اور اہتمام پر منتج ہوگی۔

۸۔ ثواب پہنچانے کی نیت سے عمرے کی تکرار اور اس میں کثرت کی عدمِ مشروعیت کا قول قوی ہے۔